کہ: بلتی، فارسی، شینا، بروشسکی اور کھوار وہ زبانیں ہیں جن کا اپنا رسم الخط اور ادبی سرمایہ ہے اور ان کے ادب نے ترقی بھی کی ہے۔ کاشغری اور وخی کا شمار اُن زبانوں میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنے رسم الخط اور ادبی سرمائے کے باوجود قابلِ ذکر ترقی نہیں کی۔ اسی طرح: پنجابی، پشتو، ہندکو، گوجری، کشمیری وہ زبانیں ہیں جن کا اپنا کوئی رسم الخط نہیں ہے اور ان کا ادبی سرمایہ اُردو رسم الخط میں ہے۔ جبکہ ڈوگری اور کوہستانی وہ علاقائی بولیاں ہیں جنھوں نے لسانی روابط کے ذریعے جنم لیا، اگرچہ ان زبانوں کا کوئی مخصوص رسم الخط یا ادبی سرمایہ نہیں ہے لیکن لسانیات کی رو سے ان کی اپنی اہمیت ہے۔ ان چودہ زبانوں کے ساتھ ساتھ مقالہ نگار نے شمالہ علاقہ جات میں انگریزی زبان کے چلن کو بھی اپنے جائزے میں شریک کیا ہے۔ مقامی زبانوں کے اُردو زبان و ادب پر اثرات کے جائزے کے سلسلے میں ایک مختصر اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے اس کام کی اہمیت کا کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

> ''شمالی علاقہ جات کی... زبانوں پر اُردو نے اپنے گہرے اثرات مرتب کیے، انھوں نے بھی غیر شعوری طور پر جواباً اُردو زبان سے محبت کا بھرپور اظہار کیا اور اسے نت نئے لہجے عطا کیے۔ یہاں کی اُردو برصغیر میں بولی جانے والی اُردو سے کسی حد تک مختلف ہے۔ ...شمالی علاقہ جات کے مقامی زبانوں کے ادب نے اُردو ادب پر برائے نام اثرات مرتب کیے ہیں... اُردو کے افسانوی ادب میں مقامی زبانوں کی لوک کہانیاں اور داستانیں، یہاں کی زبانوں کی ضرب الامثال، محاورات اور کہاوتوں کے ساتھ اس طرح شامل ہوگئی ہیں کہ ان کو سمجھنے کے لیے کم از کم کراچی اور پاکستان کے دیگر علاقوں سے تعلق رکھنے والے قارئین کو ایک لغت کی ضرورت پیش آئے گی۔'' (ص ۳۸۹)

الغرض یہ مقالہ اپنے موضوع اور معیار ہر دو لحاظ سے وقیع کہا جاسکتا ہے۔ یہ اہم کام ڈاکٹر سیّد جاوید اقبال کی نگرانی میں انجام پایا ہے۔ توقع کی جاتی ہے کہ علمی و ادبی حلقوں میں اس کی پذیرائی کی جائے گی۔

۳۔ اُردو غزل کا تکنیکی، ہیئتی اور عروضی سفر

مؤلفہ: ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد

ناشر: مجلس ترقی ادب، لاہور

مبصر: انعام الحق عباسی، ایم۔فل ریسرچ اسکالر، شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی۔

پیش نظر کتاب ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد کا مقالۂ علمیہ ہے جس پر جامعہ پنجاب سے ۲۰۰۶ء میں

پی ایچ۔ڈی ڈگری تفویض ہوئی۔ ڈاکٹر ناشاد صاحب علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو سے وابستہ ہیں۔

مقالہ چھے ابواب پر مشتمل ہے۔ ابتداء پیش گفتار سے ہوئی ہے جس میں مقالے کا مختصر تعارف اور چند رسمی کلماتِ تشکر شامل ہیں۔

پہلا باب ''تکنیک، ہیئت اور عروض کے خط و خال'' کے عنوان سے ہے، اسی باب میں ان عناصر کے لغوی اور اصطلاحی مفاہیم کے ساتھ ساتھ مغرب و مشرق کے ممتاز اہل قلم کے افکار و خیالات کی روشنی میں دائرہ کار متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان میں ابنِ خلدون، ٹی گرے، حفیظ صدیقی، عارف عبدالمتین، ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی، ڈاکٹر سیّد عبداللہ، سید احتشام حسین، محمد قیس بن رازی، غیاث الدین، محمد نجم الغنی، قدر بلگرامی وغیرہ شامل ہیں۔ عروض کے بغیر چوں کہ غزلیہ اشعار کا تصور ممکن نہیں اس لیے اس پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب دوم ''حالی سے ماقبل کی غزل کا فنی مطالعہ'' کے عنوان سے ہے۔ یہ باب پس منظر کی حیثیت رکھتا ہے اس میں اُردو زبان کے آغاز سے لے کر ۱۸۵۷ء تک غزل فنی اعتبار سے جن تجربات و مراحل سے گزری ہے اس کا ذکر اجمالی طور پر کیا گیا ہے اس باب میں بابا فرید شکر گنجؒ سے ولی دکنی تک اور ولی کے بعد سراج اورنگ آبادی، آرزو، شاہ حاتم، آبرو، شاکر نامی، مرزا مظہر جان جاناںؒ، یقین، تاباں، حزیں، سودا، درد، میر، جرأت، مصحفی، انشا، نظیر آبادی، شاہ نصیر، ذوق، غالب، مومن، ظفر، شیفتہ وغیرہ کے شعری نمونوں کی روشنی میں ان کے فنی ارتقا سے بحث کی گئی ہے۔

حالی سے اقبال تک کا دور غزل کی تعمیر و تشکیل میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے، تیسرے باب میں اسی دور کا احاطہ ''غزل کا فنی سفر... حالی سے اقبال تک'' کے عنوان سے کیا گیا ہے، یہ دور برِصغیر پاک و ہند میں سماجی اور سیاسی تبدیلیوں کا دور تھا۔ اس تمام عرصے میں فکر اور اندازِ فکر کے زاویے یکسر تبدیل ہوگئے، انگریزی تعلیم و ادب، علی گڑھ اور انجمنِ پنجاب کی تحریکوں نے نئی نسل کو مشرقی طرزِ احساس سے بے گانہ کر دیا تھا، اُردو ادب بالخصوص شاعری کو اس بدلتے ماحول سے ہم آہنگ کرنے میں حالی نے سب سے اہم کردار ادا کیا۔ حالی کے علاوہ امیر مینائی، داغ دہلوی، جلال لکھنوی، اکبر الہ آبادی، عزیز لکھنوی، آزاد لکھنوی، اثر لکھنوی، سیماب اکبر آبادی وغیرہ کو بھی اسی باب میں جگہ دی گئی ہے۔ اور ان کے منتخب اشعار کے ذریعے فنی ارتقا کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

چوتھا باب ''جدید اُردو غزل کا فنی سراپا، ۱۹۴۰ء سے ۱۹۷۰ء تک کی غزل کے جائزے پر مشتمل ہے یہ دور غزل کی تاریخ میں اظہار و بیان کے پیرائے اور اسلوب کے اعتبار سے ناقابلِ فراموش ہے، اسلوب کے ارتقا اور تنوع میں تقسیمِ ہند اور سقوطِ پاکستان جیسے اہم ترین واقعات نے بھی نمایاں کردار ادا کیا ہے یہ دور نہ صرف پاکستان بلکہ بھارت میں بھی غزل کا عہدِ زرّیں کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے بھارت میں جدید غزل کے سفر کو بھی اختصار اور جامعیت سے اس باب میں شامل کیا ہے۔ جن شعرا کو اس فنّی جائزے میں شامل کیا گیا ہے ان میں سے چند یہ ہیں: فراق، جوش، فیض، احمد ندیم قاسمی، جاں نثار اختر، ظہیر کاشمیری، ادا جعفری، خاطر غزنوی، میراجی، ناصر کاظمی، ابن انشا، صبا اکبر آبادی، سیّد عابد علی عابد، جمیل الدین عالی، عبدالعزیز خالد، ظفر اقبال، سلیم احمد، منیر نیازی، شکیب جلالی، احمد فراز، افتخار عارف، کشور ناہید، باقی، غلام ربانی تاباں، شہریار، محمد علوی، شمس الرحمان فاروقی، باقر مہدی، شمیم حنفی، فضیل جعفری، ندا فاضلی، عادل منصوری، بشیر بدر، عرفان صدیقی وغیرہ۔

''جدید تر اُردو غزل کا فنی مطالعہ'' مقالے کا پانچواں باب ہے، غزل اب مختلف تحریکوں اور رجحانات کے تجربوں سے گزر کر نت نئی ترکیب سازی، علامات و استعارات، پیکر تراشی اور اوزان و بحور کے تنوع کے باعث ایک نئے صوت و آہنگ میں جلوہ افروز نظر آتی ہے۔ اس دور کے شعرا میں اسلم انصاری، خورشید رضوی، غلام محمد قاصر، صابر ظفر، ثروت حسین، جلیل عالی، پروین شاکر، غلام حسین ساجد، سلیم کوثر، جمال احسانی، شاہدہ حسن، خالد اقبال یاسر، فارغ بخاری، قتیل شفائی، فرحت عباس شاہ وغیرہ شامل ہیں۔

چھٹا باب ''غزل کا مستقبل'' ہے، اس میں فنی اعتبار سے ان منفی عوامل کی نشان دہی کی گئی ہے جن کے زیرِ اثر غزل کی تخلیقی فضا مکدر ہو رہی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی مقالہ نگار غزل کے مستقبل سے مایوس قطعی نہیں ان کی نظریں آسمانِ سخن پر چمکتے ہوئے ستاروں کی تابانی محسوس کر رہی ہیں۔

کتابیات کے ذیل میں ان ماخذ و مصادر کی نشان دہی کی گئی ہے جن سے مقالہ نگار نے استفادہ کیا ہے، ڈھائی سو سے زیادہ انگریزی اُردو کتب و رسائل کی فہرست ان کے مطالعے اور محبت کی مظہر ہے آخر میں مبسوط اشاریے نے اس کتاب کو استفادے کی غرض سے مزید سود مند بنا دیا ہے، کتاب کی اشاعت میں مجلس ترقی ادب کی روایتی سلیقہ مندی نمایاں ہے، اس عمدہ پیش کش پر فاضل مقالہ نگار اور ناشر مبارک باد کے مستحق ہیں۔